"مفکر"!

ہمارے ادب کی منزلِ مقصود

ادب سے میرا تعلق بس اتنا ہے کہ کسی ادب پارہ یا نظم یا انشائیہ کا کوئی ٹکڑا نظر سے گذرا تو اسے پڑھ کر محظوظ کر لیا۔ مگر ادب سے حظ اٹھانے کے لیے بے شمار مدارج ہیں جن میں میرا درجہ بالکل عوامی سطح کا ہے انتقاد ادب کے فن سے مَیں آشنا نہیں ہوں اس لیے دانشوروں اور ادیبوں کی اس محفل میں مَیں اس منصب کا اہل نہیں کہ ادب کے بارے میں گفتگو کروں تاہم ایک عامی کی حیثیت سے میرے پیش نظر چند ایسی باتیں ضرور ہیں جنہیں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میرا یہ خیال ہے کہ اگر یہ باتیں ادیبوں کے پیش نظر رہیں تو اُن سے ہمارے ملّی استحکام میں بہت مدد مل سکتی ہے۔

قرآن حکیم نے شعراء کی مذمت میں دو باتیں کہی ہیں:۔

اولاً یہ کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

ثانیاً یہ کہ وہ جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔

دوسرے الفاظ میں ان کے فکر و خیال کی کوئی منزل نہیں ہے۔ آرٹ برائے آرٹ میں یقین رکھتے ہیں اور ان کے خیالات کی باگ ڈور لذات و کیفیات اور جذب و احساسات کے ہاتھوں میں ہوتی ہے جو اُن کے اشہب طبع کو جدھر موڑتے ہیں یہ اودھر ہی کو چل کھڑے

ہوتے ہیں پھر اُن کے فکر و عمل میں کوئی ہم آہنگی نہیں پائی جاتی - اس لیے بے سر و پا باتیں کرتے رہتے ہیں -

نوعِ انسانی میں یہ نقص صرف شعراء ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عوام الناس کی ایک کثیر تعداد بھی اس مرض میں مبتلا ہے پھر آخر کیا ضرور تھا کہ شعراء کا بطورِ خاص ذکر کیا جاتا - غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ شعراء سوسائٹی میں بلند مقام رکھتے ہیں ان کو اظہار و بیان کی قوتوں کا وافر حصّہ نصیب ہوتا ہے - وہ اپنی شعلہ نوائی سے قوم میں آگ بھی لگا سکتے ہیں اور اپنے افسونِ سحر سے لوگوں کو سُلا بھی سکتے ہیں وہ فکر کے انداز بدل سکتے ہیں - اور تاریخ کے دھارے کو نیا رُخ دے سکتے ہیں - کیونکہ لوگوں کے قلوب و اذہان جتنے ان کے کلام سے متاثر ہوتے ہیں کسی اور سے نہیں ہوتے اس لیے معاشرے کو شعراء کے بارے میں خبردار کر دینا بالکل ضروری ہوا کہ جن شعراء کے فکر و خیال کی کوئی منزل نہیں - ان میں کوئی ہم آہنگی نہیں - ان کا اتباع سراسر گمراہی اور ہلاکت ہے - اگرچہ انہی میں کچھ شاعر "اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کی صفاتِ حسنہ سے متصف ہو کر اس سے مستثنیٰ بھی ہو جاتے ہیں - بارگاہِ نبوی کے مشہور شاعر حضرت حسّان بن ثابت کی شاعری کے بارے میں خود نبی اکرم ؐ نے تعریفی الفاظ استعمال فرمائے بلکہ غالباً ان کے اشعار کو تیر و شمشیر سے تشبیہ بھی دی تھی -

ان گذارشات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہمارا ادب بے مقصد نہیں ہونا چاہیئے - دنیا بھی اب "ادب برائے ادب" کے نظریہ کو چھوڑ چکی ہے کچھ لوگوں نے اس مقصد کو "ادب برائے زندگی" قرار دیا ہے - مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زندگی کی کونسی سطح زندگی کی حیوانی سطح سے لے کر زندگی کی انسانی سطح تک ہزار زینہ ہائے پیچاں ہیں - ایک نظریہ یہ ہے کہ زندگی کی عکاسی کر دی جائے خواہ کسی سطح پر بھی ہو لیکن کیمرہ کی آنکھ کی طرح محض عکاسی کر دینا تو کوئی کمال نہیں - فوٹو گرافی بھی آرٹ کے درجہ کو اس وقت پہنچتی ہے جب فوٹو گرافر

منظر، پس منظر، پوز، روشنی وغیرہ کا پورا پورا اہتمام کرکے کیمرہ کو ایک خاص زاویہ نگاہ سے استعمال کرتا ہے۔ بقول اقبالؒ ادب میں یہ بات خاص طور پہ پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ :۔

قیمت ہر شے ز انداز نگاہ

اندازِ نگاہ ساون میں اندھا ہو جانے کا نام بھی نہیں ہے کہ بس ہرا ہی ہرا نظر آنے لگے، بلکہ اس کے لیے پورے شعور کے ساتھ کسی نہ کسی آدرش کو اپنانا ضروری ہوتا ہے آدرش ہی انسانی زندگی کو راہ و منزل سے آشنا کر سکتا ہے۔ چنانچہ میں "ادب برائے آدرش" کا عقیدہ رکھتا ہوں اور مجھے ادب کے تمام نظریات میں یہی بات وقیع تر نظر آتی ہے۔ اب رہا سوال یہ کہ ہمارا آدرش کیا ہو تو قرآن کریم میں "وَ اِلٰی رَبِّكَ مُنْتَہٰہَا" کے مختصر مگر جامع الفاظ میں ہمارے آدرش کو متعین کر دیا گیا ہے۔ بندہ رب بننے میں انسان کا بڑا فائدہ ہے کہ اس کی ذات اور شخصیت کی نشو و نما اور ارتقاء کے امکانات غیر محدود، بے پایاں اور لاانتہا ہو جاتے ہیں اور انسانی معاشرہ حریت احترام آدمیت، شرف انسانیت اور امن و آشتی کا گہوارہ بن جاتا ہے اس بصیرت کی روشنی میں پیر رومیؒ نے "منزلِ ما کبریاست" کا آواز بلند کیا تھا۔

اس موقع پر میں اپنے اس عقیدہ کا برملا اعلانیہ اور فخریہ اظہار کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا کہ ادب میں ہماری آخری منزل اسلام ہے۔ مَیں اس بات کو آج تک نہیں سمجھ سکا کہ بعض حلقوں کی طرف سے ادب کو سکولر رکھنے پر اتنا زور کیوں دیا جاتا ہے۔ اور ہمارے ادیب اور شاعر ادب کے معاملے میں اسلام کے نام سے اس قدر گریزاں کیوں ہیں۔ اگر ہمارے ملک و ملّت کی بنیاد اور غرض و غایت اسلام ہے اگر ہمارے ادیب اور شاعر اپنے آپ کو مسلمان کہلانے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے اور اگر اُن کا اسلامی قدروں کی برتری پر ایمان ہے تو آخر کیا وجہ ہے کہ وہ اپنی ادبی تخلیقات میں اپنے ایمان کی جھلک نہ دکھائیں اور اسلامی اقدار کے اظہار میں شرم محسوس کریں۔ اس ضمن میں وہ اپنی اس روایتی بے باکی سے کیوں کام نہیں لیتے جو اُن کا طرۂ امتیاز ہے۔ اگر وہ کسی اور آئیڈیالوجی میں یقین رکھتے ہوں تو الگ بات ہے ورنہ

میرے خیال میں اس مداہنت کا کوئی جواز نہیں ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اسلام ہی وہ نظام اقدار ہے جو انفرادی اور اجتماعی، روحانی، معاشرتی، معاشی اور ملی اعتبار سے ہمارا آدرش ہو سکتا ہے۔ اور ہمارے نزدیک تو اوّل روز ہی سے پاکستان کا مطلب "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" رہا ہے۔

ملکی اور ملی استحکام کے ضمن میں اس آدرش کی قوت بخش تاثیر کا حال ہی میں کچھ اندازہ بھی ہو چکا ہے۔ کیا ہم نے نہیں دیکھا کہ پچھلے سال ۶ ستمبر کو جب صدرِ محترم نے "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ" کا کلمہ پڑھ کر جہاد کا اعلان کیا تو معاً اس کلمے کی آواز پر کروڑوں پاکستانیوں کے دل کس طرح ایک ساتھ دھڑکنے لگے تھے۔ پوری قوم میں کیسے زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی تھی۔ قومی ذمہ داری اور قومی بیداری کے احساسات ملک کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک کس شدت کے ساتھ کارفرما ہو گئے تھے۔ اخوت، وحدت اور ایثارِ نفس کی فضا، پورے ملک پر چھا گئی تھی۔ صدرِ پاکستان کے الفاظ میں ہم نے اپنی قومی شخصیت کو پہچان لیا۔ ہم میں ملی شعور پیدا ہوا اور شعوری ہم آہنگی کا ایسا ایمان پرور نظارہ دیکھنے میں آیا جس کی مثال آج کہیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکتی۔

قوم کا ایک اہم حصہ ہونے کی حیثیت سے ہمارے ادیب بھی شعوری ہم آہنگی کے اس قومی تجربے میں سے ہو کر گزرے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے احساسات، جذبات، عقل، تخیل، اور وجدان کے ساتھ اس تجربے میں شرکت کرتے ہوئے جو ادب تخلیق کیا وہ قوم کے دلوں میں اترتا چلا گیا اور اس ادب نے ہماری فوج اور قوم کے حوصلوں کی تعمیر میں بڑا حصہ لیا۔ بقول کسے۔ جب ہمارے جیالے سپاہیوں نے دشمن کو للکارا تو اُن کی للکار میں ہمارے ادیبوں اور شاعروں کی گھن گرج بھی شامل تھی۔ اور یہ سب اس لیے ممکن ہوا کہ پوری قوم کے سامنے ایک آدرش تھا اور وہ اسلام تھا۔